اجنتا

جگن ناتھ آزاد

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی

ملنے کے پتے

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ
جامعہ نگر، نئی دہلی

شاخ دہلی
مکتبہ جامعہ لمیٹڈ
اُردو بازار
دہلی ۶

شاخ بمبئی
مکتبہ جامعہ لمیٹڈ
پرنسس بلڈنگ جے جے ہسپتال
بمبئی ۳

پہلی بار ۱۹۶۶ء

قیمت پچھتّر پیسے

کوہ نور پرنٹنگ پریس، لال کنواں، دہلی

پہاڑ کی آواز

دامن میں مرے آکے نہ حیراں ہو مسافر
اِس طرح نہ حیرت سے غزل خواں ہو مسافر
ہمّت تری کچھ اور پَرافشاں ہو مسافر
آمیری بلندی پہ خراماں ہو مسافر

شاعر

مانا کہ قدم خاک کی پستی پہ ہیں میرے
لیکن مری آنکھیں ترے سینے پہ لگی ہیں
میں دیکھ رہا ہوں یہ دھڑکتا ہوا سینہ

پہلی آواز

سینہ ہے مرا عظمتِ رفتہ کا دفینہ
یہ خاتمِ ماحول کا ہے ایک نگینہ
تو محض مسافر ہے تو میں کچھ نہیں کہتا
لیکن تو اگر اہلِ نظر ہے تو یہ سن لے

گنجینۂ افکار و معانی ہے یہ سینہ

آجا مرے سینے میں لئے دل کا خزینہ

اور دیکھ یہاں دردِ محبّت کے کرشمے

وہ دیکھ ترے پاؤں کے نزدیک ہے زینہ

آ میری بلندی پہ خراماں ہو مسافر

شاعر ایک سو پانچ سیڑھیاں چڑھ کر پہلے غار میں داخل ہوتا ہے جہاں چودہ سو سال پہلے کا فنِ لطیف اس کا استقبال کرتا ہے۔ شاعر عالمِ حیرت میں گویا ہوتا ہے۔

الامان والحفیظ والحفیظ و الاماں

مجھ کو میرا جستجو کا شوق لایا ہے کہاں

کون سا جادہ ہے یارب کونسی منزل ہے یہ
کون سے طوفانِ حیرت ناک کا ساحل ہے یہ

میں کہاں ہوں اے مرے ذوقِ تماشا المدد
المدد اے عقل، اے عشق، اے تمنّا المدد

کیا کوئی اُجڑا ہوا ویران کاشانہ ہے یہ
یا کوئی بستا ہوا آباد ویرانہ ہے یہ

کِس تخیّل کی تلاطم خیز تصویریں ہیں یہ
چشمِ حیرت کون سے ہاتھوں کی تعمیریں ہیں یہ

کون سے خوابوں کی عبرتناک تعبیریں ہیں یہ
کون سے خورشید کی بیتاب تنویریں ہیں یہ

پھول یہ کس خاک کس دشت و دمن کے پھول ہیں
کس تخیّل کس تفکّر کے چمن کے پھول ہیں

خاک کے ذرّوں کو دے کر پتھّروں کی پختگی[۱]
ہو گیا آخر کہاں روپوش ذوقِ آگہی

امتزاجِ رنگ جن ذہنوں کی پیداوار ہے
سامنے آنے سے اُن ذہنوں کو کیوں انکار ہے

پتھّروں میں آج کیا یہ رنگ ناموجود ہیں
یا طریقے رنگ کی تحصیل کے مفقود ہیں

کس لیئے خاموش ہے اے عصرِ حاضر کچھ تو بول
کھول اک حیرت زدہ شاعر پہ یہ اسرار کھول

۱؎ سنگین دیواروں پر کچی مٹی کا پلستر ہے اور اس پر پہاڑ سے نکالے ہوئے رنگوں کے بیل بوٹے بنے ہیں۔ حیرت ہے کہ یہ پلستر بھی اب تک قائم ہے اور بیل بوٹے بھی

شاعر کو عالمِ حیرت میں دیکھ کر تمام کے تمام بُت بیک آواز

پکار اُٹھتے ہیں۔

ابتدا ہے یہ تو جلوے کی اسی میں کھو نہ جا

شاعرِ دیوانہ آگے بڑھ یہیں کا ہو نہ جا

شاعر ایک سے دوسرے اور دوسرے سے تیسرے غار میں ہوتا ہے

ہوا ایک ایسے غار میں پہنچتا ہے جہاں ایک باوقار مجسّمہ خاص طور سے

اُس کی توجّہ اپنی جانب مبذول کرتا ہے۔ شاعر اپنی نظریں بُت پر

جماتا ہے۔ بُت خاموش ہے۔ شاعر اُس سے پوچھتا ہے۔

اے بُتِ سنگیں دل و سنگیں رُخ و سنگیں بدن

جس کا تو اک پھول ہے آخر کہاں ہے وہ چمن

کون سی دُنیا کا آدم ہے تُو کِس دریا کی موج
کِس سمندر کا صدف ہے کِس تخیّل کا ہے اَوج

وقت کے پتھر پہ تیرا نقش ہے نقشِ دوام
اَلسّلام اے ہند کے اوجِ تخیّل اَلسّلام

یہ بتا آنے سے پہلے عالَمِ اسرار میں
تُو دلِ کہسار میں تھا یا دلِ فن کار میں

بُت کا جواب

میں کبھی فن کار کے سینے میں تھا محوِ خروش
جس طرح افکار تیرے دل میں ہیں طوفان بدوش

عَالَمِ افکار کو کاغذ پہ لے آتا ہے تُو
مجھ کو اِس عَالَم میں لے آیا مرا ذوقِ نمُو

جب دلِ فن کار میں میری تڑپ بڑھنے لگی
میرے ارمانوں کی ندّی زور سے چڑھنے لگی

تیشۂ فن کار نے سنگِ گراں کا رُخ کیا
فکرِ آدم نے حیاتِ جاوداں کا رُخ کیا

ضربِ کاری تیشۂ فن کار کی کہسار پر
چھا گئیں گویا بہاریں دامنِ گلزار پر

دیکھ مجھ کو، سینۂ کہسار کا عَالَم نہ پُوچھ
اے مُسافر، ضربتِ فن کار کا عَالَم نہ پُوچھ

دہ ہزار برس پہلے کے تمدّن کے سمندر سے پھر ایک موج اُٹھتی ہے اور شاعر کو اپنے ساتھ بہالے جاتی ہے۔ شاعر جب ہوش سنبھالتا ہے تو اپنے آپ کو ایک اور غار میں پاتا ہے۔ وہ اِس قدر عظیم تمدّن کے زوال پر چند لمحوں کے لئے غور کرتا ہے کہ اِس غار کے ایک بُت کے لب ہلتے ہیں، اور وہ کہتا ہے۔

سامنے دیوار پر کندہ ہے جو تحریر دیکھ
"روبرو تقدیر کے رُسوائی تدبیر دیکھ"

وہ مختصر سی عبارت پالی میں ہے، شاعر اسے نہ پڑھ سکتا ہے نہ سمجھ سکتا ہے گائڈ اسے کچھ بتاتا ہے کہ کس طرح گردشِ روزگار نے اِس خزانے کو تاراج کیا اور شاعر کو وہ ایک اور غار میں لے جاتا ہے، جہاں دیواروں اور

چھت کے نقش و نگار سالہا سال پُرانی داستان سُنا رہے ہیں۔ یہاں بھی ایک عبرت ناک خاموشی چھائی ہوئی ہے۔ شاعر کہتا ہے۔

مجھ کو شوقِ بادیہ پیمائی لے آیا کہاں
یہ خموشی ہے کوئی یا داستانِ دردِ نہاں
اک پُرانے غار کے اُجڑے ہوئے سے بام و در
درد بن کر چھائے جاتے ہیں مرے احساس پر
لب ہلا سکتے اگر صدیوں کے یہ نقش و نگار
کچھ سُناتے داستانِ انقلابِ روزگار

ایک آواز

کون سُن سکتا ہے ذکرِ انقلابِ روزگار؟

دوسری آواز

کون اِس کہسار پر آیا ہے ایسا دل فگار؟

تیسری آواز

ہم ہیں تارے آسمانِ ہند کے ٹوٹے ہوئے

ہم خزانے ہیں غمِ ایّام کے لُوٹے ہوئے

چوتھی آواز

دستِ بُردِ گردشِ دوراں کے ہم ہیں شاہکار

حال کی تصویر ہیں ماضی کے ہیں آئینہ دار

کس کو ہم بتلائیں ہم کس دَور کی ہیں یادگار

کِس خیاباں کی چمن ہیں کس گُلستاں کا نکھار

کِن دلوں کا ہم سکوں ہیں کِن نگاہوں کا قرار
زندہ رو جیں ہیں نہیں ہیں ہم فقط نقش و نگار

وہی پہلی آواز

کون سُن سکتا ہے ذکرِ انقلابِ روزگار؟

شاعر

میں سنُوں گا میں تمھاری داستاں اے پتھّرو
اور خود بن کر تمھارا ہم زباں اے پتھّرو
یہ تمھاری داستاں اشعار میں دہراؤں گا
جسمِ اُردو کے لہُو میں بجلیاں دوڑاؤں گا

نُور جب لوں گا تمھارے جاوداں کردار سے

روشنی برسے گی میرے چہرہ اشعار سے

جب قلم میں ہاتھ میں لوں گا تمھارے ذکر کو

اوجِ گردوں چُومنے آئے گا میری فکر کو

کھول دو اب کون ہو اور کس جہاں سے آئے ہو

یہ تجلّی کی فراوانی کہاں سے لائے ہو

متعدّد آوازیں ایک ہی لے میں بلند ہوتی ہیں۔ تمام غار ایک نغمے سے گُونج اُٹھتے ہیں اور یہ آواز سنائی دیتی ہے۔

اے شاعرِ آوارہ چل — چل صورتِ سیّارہ چل

ماضی کے گہرے غار میں

اک عالمِ اسرار میں

خواہش ہے تجھ کو نور کی　　اک جلوہ مستور کی
آ چل ہمارے ساتھ چل　　حیرت کی دنیا سے نکل

تاریخ کا دل چیر کر
ماضی کے سینے میں اتر

اے ناقدِ ذوقِ نظر　　اے نکتہ بیں اے دیدہ ور

ظاہر کی آنکھیں بند کر
باطن کی آنکھیں کھول دے

نظریں ہٹا کر آج سے
کل کا تماشا دیکھ لے

یکایک تمام آوازیں خاموش ہو جاتی ہیں اور صرف ایک صدا سنائی دیتی ہے

دیکھ یہ تصویر یہ ہندوستاں ماضی کا ہے
یہ زمیں ماضی کی ہے یہ آسماں ماضی کا ہے

یہ صداقت کا زمانہ ہے یہ ہے ایماں کا دَور
علم و فن کا وقت ہے یہ عشق کے عرفاں کا دَور

دیکھ سارے مُلک میں امن و اماں کا دَور ہے
دیکھ لے یہ عظمتِ ہندوستاں کا دَور ہے

آدمی کا آدمی بَیری نہیں اِس دَور میں
دیکھ تاباں ہے محبّت کی جبیں اِس دَور میں

دیکھ لے ہر سُو نمایاں عقلِ انساں کا کمال
دیکھ فن کے ہر جمالی رنگ میں شانِ [illegible]

جسمِ انساں بھی قوی ہے رُوحِ انساں بھی قوی

اور پھر فن میں نمایاں ہے یہ حُسنِ زندگی

تیشۂ بُت ساز ہے یا مُوقلم نقّاش کا

پتّھروں کو زندگی سے آشنا کرتا ہوا

آدمیت کو لئے جاتا ہے سُوئے ارتقا

بہ رہی ہے کتنی بیتابی سے جُوئے ارتقا

ایک آواز

یہ اشوکِ اعظمِ ہندوستاں کا دور ہے

مُلک کی شوکت کے سچّے پاسباں کا دور ہے

دوسری آواز

جا چکا دورِ اشوک اب اک زمانہ اور دیکھ
زندگی کے ارتقا کا اک نرالا دور دیکھ

نذرِ تاراجِ خزاں ہے گلستانِ موریا
ہو گیا روپوش نظروں سے نشانِ موریا

تیسری آواز

اب ہے بھارت کی زباں پر داستانِ پشیہ متر
پُر فشاں ہے اوجِ گردوں پر نشانِ پشیہ متر

چوتھی آواز

آج بھی زوروں پہ ہے موجِ ہنر کا زیر و بم

پانچویں آواز

اے مسافر آج جس منزل میں ہیں تیرے قدم

اب قدم رکھتی ہے وہ محفل جہانِ زیست میں

آ رہی ہے اک نئی منزل جہانِ زیست میں

چھٹی آواز

جا چکا یہ دور بھی اب آگیا دورِ کُنشک

ابرِ رحمت بن کے گویا چھا گیا دورِ کُنشک

ساتویں آواز

جا چکا دورِ کُنشک آتا ہے دورِ چندر گپت

اور زمیں پر نور برساتا ہے دورِ چندر گپت

آخری آواز

جا چکا یہ دَور، دَورِ بکرما جیت آگیا
جس کی عظمت کی کہانی جزو ہے تاریخ کا
اِس کی عظمت اہلِ دُنیا کو دکھانے کے لئے
ہر شش آتا ہے نئی محفل سجانے کے لئے

نویں آواز

اِس طرح اُڑتے ہوئے نو سو برس کے دَور میں
اپنی اِس آبادِ محفل کی کہانی کیا کہیں
پھول ہیں ہم، کھِل رہے ہیں گلستانِ نیست میں
بن رہے ہیں، ڈھل رہے ہیں ہم جہانِ نیست میں

بزمِ تہذیب و تمدن سج رہی ہے دھوم سے

اپنی شہنائی فضا میں بج رہی ہے دھوم سے

کیا کہیں انسان کے افکار کی تابندگی

پتھروں میں رقص کرتی پھر رہی ہے زندگی

سنگ ریزوں کے دلوں میں جھومتا پھرتا ہے عشق

حُسن کی نیرنگیوں کو چومتا پھرتا ہے عشق

پھر ایک طویل خاموشی اور اس خاموشی کو توڑتی ہوئی یہ آواز گونجتی ہے۔

دیکھ اس عظمت کو دامن میں چھپانے کے لئے

آندھیاں اٹھی ہیں یہ نقشے مٹانے کے لئے

موت کے جھونکے وہ بڑھتے آرہے ہیں زور سے

اک قیامت سی ہے برپا جن کے پیہم شور سے

چھا رہا ہے دیکھ تصویروں پہ وہ گرد و غبار

کوہ کے چاروں طرف کچھ بھی نہیں جز انتشار

وہ زمیں ہانپی فلک کانپا شجر گرنے لگے

گلشنِ تہذیب کے شاخ و ثمر گرنے لگے

وقت کے جھونکوں سے علم و فن کی شمعیں بجھ گئیں

عقل اور تہذیب کے مسکن کی شمعیں بجھ گئیں

گم ہوئی یوں روشنی اپنی اندھیری رات میں

جس طرح تاروں کی قندیلیں بھری برسات میں

شاعر

میں نہیں سمجھا تمھاری اِس تباہی کا سبب

ایک آواز

کوئی پا سکتا نہیں قہرِ الٰہی کا سبب

دوسری آواز

اِس تباہی پر زمانے کی زباں خاموش ہے

تیسری آواز

محفلِ عالم کا ہر تاریخ داں خاموش ہے

شاعر آخری غار سے ہو کر ایک پگڈنڈی کے راستے نیچے گہرائی میں اُتر جاتا ہے

جہاں ایک پہاڑی نالہ بہہ رہا ہے، اُس کی موجوں کے سازِ پردہ عالمِ تنہائی میں نظم چھیڑتا ہے

میں اب اس وقت کہاں ہوں مجھے معلوم نہیں

میں ہوں ساکن کہ رواں ہوں مجھے معلوم نہیں

وقت کے دوش پہ خوشبو کی ہوں اک موجِ لطیف

یا کوئی سنگِ گراں ہوں مجھے معلوم نہیں

میں ہوں گلزارِ زمانہ میں بہاروں کی نوید

یا میں اک فصلِ خزاں ہوں مجھے معلوم نہیں

دامنِ کوہ میں بہتی ہوئی ندی ہوں میں

یا کوئی ابرِ رواں ہوں مجھے معلوم نہیں

کیا اسی سینۂ کہسار کا بُت ہوں میں بھی

کہ میں بُت سازِ جہاں ہوں مجھے معلوم نہیں

اپنے ماحول کا اک ذرّۂ ناچیز ہوں میں
یا الگ اس سے رواں ہوں مجھے معلوم نہیں
آج کس عالم حیرت نے مجھے گھیر لیا
ہوں حقیقت کہ گماں ہوں مجھے معلوم نہیں

نِدائے غیب

اے نئے دور کے نئے فن کار
اِس قدر حیرتی نہ ہو زنہار
یہ جو دیکھا ہے تُو نے ایک مقام
ایک تصویرِ گردشِ ایّام
نقشِ پا کاروانِ زیست کا ہے
ایک ذرّہ جہانِ زیست کا ہے
اِس زمین و زماں کے سینے میں
وقت کے بے اماں دفینے ہیں

ایسے ہیروں کا کچھ شمار نہیں
کچھ مگر ان کا اعتبار نہیں

کارواں وقت کا جو چلتا ہے عرش و کُرسی کا دل دہلتا ہے
وہ اجنتا ہو یا ایلورا ہو یا تماشائے گولکُنڈا ہو
قطب صاحب کا وہ منارہ ہو لال قلعے کا یا نظارہ ہو
گو ربی ہو یا ہو تاج محل ٹیکسلا کے وہ یا ہوں راج محل
باغِ لارنس ہو کہ باغِ نشاط یا ہڑپّہ کی ہو وہ کہنہ رباط
حیدر آباد کے ہوں چار منار یا ہو سانچی کا عالمِ اسرار
انڈیا گیٹ کی ہو وہ تصویر فورٹ ولیم کی یا حسین تصویر
وہ مغل گارڈن کی خوشبو ہو کہ نشانِ موہنجو دارو ہو

وقت کے کارواں کے رستے پر — میل و فرسنگ کے ہیں یہ قصے
اِن سے گذر رہا ہے کاروانِ حیات — یہ ہیں سب جزوِ داستانِ حیات

منزلیں ارتقا کی ہیں یہ تمام
عقل کے آخری نہیں یہ مقام

ذہنِ انساں کا آفتابِ عظیم — جس سے ہے آدمی عقیل و فہیم
یہ اُسی کی ضیا کے دھارے ہیں — فلکِ ارتقا کے تارے ہیں
اُن کے جلووں میں گھر کے رہ جانا — اُن کے طوفاں کی رَو میں بہہ جانا
زیب دیتا نہیں تجھے زنہار — اے نئے دَور کے نئے فن کار
اِن سے لے کر اُبھار جذبے کا — تو بڑھا لے نکھار جذبے کا

نغمۂ تازہ تر سُنا اپنا
سوئے فردا قدم بڑھا اپنا

یہ ہے ماضی تو یہ ہے مستقبل
اِس جھمیلے سے کچھ نہیں حاصل

زندگی ایک کائنات ہے ایک
یہ تماشائے شش جہات ہے ایک

شعر ہی کی مثال دیکھ ذرا
اپنی دُنیا کا حال دیکھ ذرا

شعر کے بے خزاں گلستاں میں
اِس حسین عالَمِ بہاراں میں

پھول حالی اگر نہ چن سکتا
شعرِ اقبال کون سُن سکتا

کون بزمِ وطن کو گرماتا
نغمۂ جوش کون سُن پاتا

پھر نئی زندگی کہاں ہوتی
آج کی شاعری کہاں ہوتی

اے اجنتا کو دیکھنے والے
کہنہ دُنیا کو دیکھنے والے

یہی تصویر آج سے ہو کر
جگمگائے گی کل کے پردے پر

اس میں پھر اک ضیائے نو ہوگی
اک عجب تابناک ضو ہوگی

رنگ پہ جس گھڑی جمائے گی
زیست کی بزم جگمگائے گی

یہ کبھی شعر کو دمک دے گی
کبھی تاریخ کو چمک دے گی

یہ بھی لیکن بتاؤں کیا ہوگا
یہ بھی اک سنگِ میل سا ہوگا

زندگی اس سے روشنی لے کر
یہ تسلسل رہے گی گرمِ سفر

رُک سکے گا نہ کاروانِ حیات
کہ ہے ذوقِ سفر نشانِ حیات

اِسی سلسلے کے دوسرے کتابچے

میرے گذشتہ روز و شب (نثر) ایک روپیہ پچیس پیسے

جنوبی ہند میں دو ہفتے (ایک ادبی سفرنامہ) ایک روپیہ

اُردو (ایک طویل نظم) ایک روپیہ پچیس پیسے

(پانچواں ایڈیشن)

ابوالکلام آزاد (مرثیہ) پچیس پیسے

ماتمِ نہرو (مرثیہ) پچھتر پیسے

ماتمِ سالک (مرثیہ) پینتالیس پیسے

رفیع صاحب کے مزار پر (طویل نظم) پینتالیس پیسے

دہلی کی جامع مسجد (مسدّس) پینتیس پیسے

ملنے کا پتہ

مکتبہ جامعہ لمیٹیڈ، اُردو بازار دہلی